کرشمۂ قدرت

از مولانا عبداللہ العمادی

کائنات کی ہر چیز اپنی قدرت واقتدار کی نمایش چاہتی ہے مگر مُبدع کائنات کی قدرت کاملہ کی نمود اریوں کو دیکھتی ہی نہیں، اور اگر غلط انداز نظروں سے دیکھ بھی لیا تو آمادۂ تکذیب ہوگئے آج کی صحبت میں اسی قدرت کاملہ کا ایک نمونہ پیش خدمت ہے جس کو سمجھنے اور جس سے عبرت حاصل کرنے کے لئے پہلے آپ سورۂ رحمان کی تلاوت کر لیجئے اور پھر اُس رحمان و رحیم کی قدرت دیکھئے۔

(۱)

سورۂ رحمان میں جا بجا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کا تنبیہی فقرہ وارد ہوا ہے جس کے معنی "اے جماعت جن وانسان تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے" بتلائے جاتے ہیں۔ اس فقرہ کا نسق اس طرح واقع ہوا ہے کہ پہلے خدا کی نعمتیں مذکور ہیں۔ پھر ان پر متنبہ کیا گیا ہے۔ مثلاً۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

اور (اسی خدا نے) خلقت کے (فائدہ کے) لئے زمین بنا دی ہے کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کی گیلوں) پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوتے ہیں اور (طرح طرح) کے اناج جو (بھوسی کے) خول میں ہوتے ہیں اور خوشبودار پھول ہیں۔ تو (اے جماعت جن وانسان) تم دونوں اپنے پروردگار کی کونسی کون نعمتوں سے مکرتے رہوگے؟

لیکن مشکل یہ ہے کہ اس فقرہ کے قبل جابجا ایسی ترہیب وتہدید کی آیتیں بھی وارد ہیں جن سے نعمت ورحمت کا مفہوم مشکل سمجھ میں آسکتا ہے۔ مثلاً:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ ۚ فَبِاَيِّ
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا
مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا
لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ
مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۔ فَبِاَيِّ
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ فَاِذَا انْشَقَّتِ
السَّمَاۗءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۔
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ فَيَوْمَئِذٍ[له]
لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَاۗنٌّ ۔
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ يُعْرَفُ
الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ
وَالْاَقْدَامِ ۔ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ
يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۔ فَبِاَيِّ
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ (آیت ۱۵ - ۲۲)

اے دونوں گروہو عنقریب ہم تمہاری طرف کلیۃً متوجہ ہونے والے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں سے تم دونوں مکرتے رہوگے۔ اے گروہ جن وانس اگر تم سے ہوسکے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے (ہوکر کہیں کو) نکل بھاگو تو نکل دیکھو مگر کچھ ایسا ہی زور ہو تو نکلو (اور وہ تم میں نہ ہے اور نہ ہو) تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ تم پر آگ کی کچی پکی لو برسائی جائیگی کہ تم (اس کو) دفع نہ کرسکوگے۔ تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں سے مکرتے رہوگے پھر جب (قیامت کے دن) آسمان پھٹا اور تیل کی طرح (اس کی رنگت) لال ہوئی (وہ آخری فیصلہ کا دن ہوگا) تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ تو اس دن نہ تو گنہگار کے گناہ کی بابت کسی آدمی سے پوچھا جائیگا اور نہ کسی جن[له] سے تو اے دونوں گروہو تم خدا کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے! اس دن گنہگار

له یہ ترجمہ ہم نے سب سے الگ ہو کر اس لئے کیا ہے کہ امام رازی نے اس آیت کی ترکیب میں ایک مشکل پیدا کر کے۔ بقیہ بر صفحہ ۲۶

ان کی صورت سے پہچان لیا جائے گا۔ پھر (ان کے) چٹھے اور پاؤں پکڑے جائیں گے۔ تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ یہ ہے وہ جہنم جس کو گنہگار لوگ جھٹلاتے ہیں (اور قیامت کے دن) اس میں اور کھولتے ہوئے پانی میں (بیقرار پڑے) پھریں گے۔ تو اے دونوں گروہو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے"

اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے کوشش ہونے لگی کہ جس طرح ہو سکے وعید آخرت و عذاب جہنم وغیرہا سے بھی نعمت کی شان پیدا کی جائے اور ثابت کیا جائے کہ لوگ جس چیز کو عذاب سمجھ رہے ہیں اس میں بھی نعمت و رحمت کی ادائیں ہیں۔ اس بنا پر تاویلات ذیل غور طلب ہیں:۔

الف جن و انس کی جانب عذاب و ثواب پہنچانے کے لئے خدا کا متوجہ ہونا خود ہی نعمت ہے۔ اس سے بڑی اور نعمت کیا ہوگی کہ مطیع کو ثواب اور منکر کو عذاب دیا جائے گا۔ [1]

(ب) آسمان و زمین کے دائرہ سے باہر نکل جانے کی دھمکی بھی نعمت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا نے جن و انس کے درمیان اس بات میں برابری کی نعمت عطا فرمائی ہے کہ اس کے ارادات و احکام کے خلاف نہ جن کوئی کام کر سکتے ہیں اور نہ انسان۔ [2]

(ج) آگ کی کچی پکی لو برسائی جانے اور آسمان پھٹنے اور لال ہونے میں کوئی تاویل نہ چل سکی اور نعمت کا مفہوم ان چیزوں سے کسی طرح نہ نکل سکا۔ اس لئے علامہ ابن جریر نے اس آیت میں نعمت کی تاویل نظر انداز کر دی [3]، مگر دوسرے مفسرین یہی کہتے چلے جاتے ہیں اور نعمت کا مطلب نکالنے کے باب میں خاموش

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۔ اس کے دو جواب دئے ہیں۔ پہلا جواب ان کی رائے میں معمولی ہے اور دوسرے جواب کی نسبت لکھتے ہیں۔ "و۔ وثانیہما وہو الادق و بالقبول احق ان یجعل ما بعد الیہ الضمیر قبل الفعل یتعال تقدیرہ" فالمذنب یومئذ لا یسأل عن ذنبہ انس ولا جان" ملاحظہ ہو جلد ۷ صفحہ ۲۵۔

[1] ابن جریر۔ جلد ۲۷۔ آخر صفحہ ۱۷۔

[2] ابن جریر جلد ۲۷۔ آخر صفحہ ۷، و اول صفحہ ۱۷۔

[3] ابن جریر۔ صفحہ ۷۴

ہو جاتے ہیں۔

(د) گنہگار کے گناہ کی بابت کسی دوسرے سے سوال نہ ہونا اس لئے نعمت ہے کہ صرف گنہگار پر عذاب ہوگا اور بے گناہ بری رہیں گے

(ھ) گنہگاروں کی پہچان قائم رہنا اور ان کی پکڑ دھکڑ ہونا بھی نعمت ہے کہ انہیں کی ذلت و اہانت ہوئی اور دوسرے بچ گئے [۲]۔

(و) گنہگاروں کا جہنم سپرد کرنا اور انھیں کھولتے پانی میں ڈالنا بھی نعمت ہے اس لئے کہ وہ اس کے متحق تھے [۳]

(ز) نعمتیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔

ایک نعمت ضروریات زندگی کا پیدا کرنا ہے مثلاً زمین جس پر ہم رہتے ہیں۔ اس کا پیدا کرنا بھی نعمت ہے یہ نہ ہوتی تو جگہ رہنے کے لئے کہاں سے آتی۔

نعمت کی دوسری قسم میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کو بلا واسطہ ضروریات زندگی میں داخل کرنا تو مشکل ہے۔ مگر ہماری ضرورتوں میں کاربرآری کے لئے اُن کا ہونا بھی لازمی ہے۔ مثلاً نظام شمسی کی حرکت اور سیاروں کی چال کہ بغیر ان کے نہ موسم بدل سکتے ہیں۔ اور نہ غلہ پیدا ہو سکتا ہے۔

تیسری قسم کی نعمت وہ ہے کہ گو محتاج الیہ نہ بھی مگر مفید ضرور ہے۔ مثلاً دریاؤں کا پیدا کرنا اور کشتیاں چلانا۔

چوتھی قسم کی وہ نعمت ہے کہ چاہے مفید نہو۔ مگر ان سے ایک طرح کی آرائش ہو جایا کرتی ہے۔ جیسے لعل و گوہر

یہ چاروں نعمتیں تو قوائے جسمانی کے متعلق ہوئیں۔ پانچویں نعمت جو سب سے بڑی ہے یہ ہے کہ خدا نے یہ جسمانی نعمتیں بھی انسان کو عنایت کیں اور ان سب سے اعلیٰ ایک روحانی نعمت بھی عطا فرمائی یعنی علم و

---

[۱] ابن جریر صفحہ ۷۵؛ [۲] ابن جریر صفحہ ۷۵؛ [۳] ابن جریر صفحہ ۷۶۔

تعلّم (الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان)

یہ ہیں وہ تاویلیں جن کی بنا پر فبای آلاء ربکما تکذبان میں لفظ "الآء" نعمتوں کا مرادف ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن کیا اس حد تک پہنچ کر تحقیق کا خاتمہ ہو گیا اور آگے کے لئے کوئی بات باقی نہیں رہی۔ اس کی تنقیح کے لئے ایک ذرا تامل کرنا چاہیے۔

(۲)

ان تاویلات کے متعلق ہم کچھ نہیں کہنا چاہتے اس لئے کہ منکروں پر عذاب ہونا ممکن ہے کہ مطیع بندوں کے لئے رحمت و نعمت ہو کہ بارے اس بلا و مصیبت میں وہی مبتلا ہوئے جو اس کے مستحق تھے غیر مستحق بچ تو رہے لیکن سوال یہ ہے کہ عذاب جہنم کی وعید تو صرف منکروں سے مخصوص ہے مطیع و مومن کو اس سے کیا تعلق۔ آگ کی کچی پکی تو انھیں جن و انس پر برسائی جائے گی جنھیں خدا کی خدائی سے انکار تھا اور دنیا میں وہ اس کی عظمت و جبروت کو جھٹلایا کرتے تھے۔ آیات میں انھیں منکروں سے خطاب بھی ہے اور انھیں کو ڈرایا بھی گیا ہے ظاہر ہے کہ انکا گرفتار بلا ہونا دوسروں کے لئے نعمت ہو تو ہو خود ان کے لئے کسی طرح بھی نعمت نہیں۔ اور دوسروں کا جب یہاں تعلق ہی نہیں تو یہ بیل منڈھے چڑھے تو کیونکر؟ خطاب ہو منکرین و مکذبین سے مستحق عذاب ہوں منکرین و مکذبین۔ عذاب میں خود ان کے لئے کسی قسم کی نعمت و رحمت کا شائبہ نہ ہو۔ بایں ہمہ صرف پرائی نعمت کو یاد دلا دلا کے ان پر مار پڑے۔ وہی مثل ہوئی کہ ہمسایہ کو خلعت ملا اور مار مجھ پر پڑی کہ تو اس نعمت کی قدر نہیں کرتا اور احسان نہیں مانتا۔ رہی نعمتوں کی فیلسوفانہ تقسیم۔ تو اس میں ہزار نکتے نکالے جائیں مگر یہ باتیں اسی وقت مفید ہو سکتی ہیں جب پہلے یہ ثابت ہو لے کہ منکروں کا آگ میں جلایا جانا خود ان منکروں کے لئے زحمت نہیں ہے رحمت ہے۔ یہ کیا کہ رحمت کا تعلق مومنین سے ہو اور اس کا احسان کفار پر جتایا جائے یہ تو لسان الغیب کی داد خواہی ہوئی کہ ؎

۱؎ تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۵

خدا را داد من بستان از و اے شحنۂ مجلس
که مے با دیگران خورد است و با من سرگران دارد

(۳)

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ہر آیہ اور ہر سورہ اپنے ما قبل و ما بعد سے مربوط و منظم ہے۔ سورۂ رحمٰن سے پہلے سورۂ قمر ہے جس میں چاند جیسے عظیم الشان کرہ کے پھٹنے۔ فضائے آسمان کے پٹ کھولنے اور بڑی بڑی جبار اقوام کے پامال و فنا کر دینے کے اشارے ہیں اور ان سب کے تذکرہ سے خدا نے بندوں پر اپنی عظمت و جلال و قدرت کا سکہ بٹھایا ہے۔ سورہ رحمٰن کے بعد سورہ واقعہ ہے جس میں قیامت ہونے۔ زمین کے دہل اٹھنے۔ پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے بہشتیوں اور دوزخیوں پر رحمت اور عذاب ہونے سڑی گلی ہڈیوں پر گوشت و پوست پہنا کر آدمی بنانے مخلوقات کی شکل و ہیئت بدل دینے۔ و مثل ذٰلک کے تذکرے ہیں اور ان کی بھی یہی غرض ہے کہ کمزور بر خود غلط انسان کو جناب باری کی عظمت و اقتدار کا اندازہ ہو سکے۔ ان دونوں کے بیچ میں سورۂ رحمٰن ہے جس کا افتتاح اس پر ہے:-

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ خَلَقَ	اس بڑے رحم والے معبود نے قرآن کی تعلیم دی۔ انسان کو
الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۔ اَلشَّمْسُ وَ	پیدا کیا۔ اُسے بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند ایک حساب کے
الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ	ساتھ (گردش میں) ہیں۔ اور بوٹے اور درخت

لہ "نجم" ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور بوٹیوں کی جھاڑی کو بھی لیکن ستارے کی نسبت درخت کے ساتھ گل بوٹے کو زیادہ مناسبت ہے اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس و سعید و سُدّی و سفیان سے یہی روایت بھی کی ہے کہ اس آیت میں شجر سے مراد درخت ہے اور نجم سے بوٹیوں کی جھاڑی۔ خود ابن جریر بھی اختلاف کا تذکرہ کرکے لکھتے ہیں۔ واولی القولین قول من قال عنی بالنجم ما نجم عن الارض من نبتٍ لعطف الشجر علیه فکان بان یکون معناه لذلک ما قام علی ساق وما لا یقوم علی ساق یسجدان للّٰہ بمعنی انہ تسجد له الاشیاء کلها المختلفة الهیأت من خلقه (یعنی نجم کے معنی میں ستارہ اور بوٹوں کی جھاڑی کے دو قول جو ہیں تو ان دونوں میں یہ قول زیادہ صحیح و صائب ہے کہ "نجم" سے مراد وہ نباتی جھاڑیاں ہیں جو زمین سے اگتی ہیں۔ اس لئے کہ لفظ "شجر" اسی پر معطوف ہے۔ گویا مطلب ہوا درخت جو ساق دار ہوتا ہے اور جھاڑی جو بے ساق کی ہوتی ہے دونوں خدا کے آگے سربسجود ہیں۔ یعنی اس کے مخلوقات میں تمام چیزیں جن کی شکل و ہیأت خواہ کتنی ہی مختلف ہو سب اس کی فرمانبرداری کے لئے حاضر ہیں۔ تفسیر ابن جریر ج ۲۷ [illegible]

يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ
وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي
الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ
وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ
وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ
وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ
ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ خَلَقَ
الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ رَبُّ
الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِاَيِّ
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ

بسجود ہیں[۱]۔ اور اُسی نے آسمان کو اونچا کیا اور ترازو (بنیادی
ہے کہ تم لوگ تولنے میں (حد اعتدال سے) تجاوز نہ کرو۔ اور
انصاف کے ساتھ سیدھی تول تولو اور کم نہ تولو۔ اور
اسی نے خلقت کے (فائدہ کے) لئے زمین بنا دی ہے کہ
اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کی گیلوں)
پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اور (طرح طرح کے) اناج
جو (بھوسی کے) خول میں ہوتے ہیں۔ اور خوشبودار پھول ہیں۔ تو
(اے جن و انسان کے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی
کون کون سی نعمتوں سے مُکرتے رہوگے۔ اسی نے انسان (اول)
کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا اور جنوں کو آگ کی لو
سے۔ تو (اے دونو گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں
سے مُکرتے رہوگے۔ (وہی جاڑے اور گرمی میں) آفتاب کے نکلنے کے
دو (مختلف مقاموں) اور (ایسے ہی) ڈوبنے کے دو (مختلف)۔

[۱] سجدہ سر جھکانے کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نہ درخت سر جھکاتے اور نہ جھاڑیاں سجدہ کرتیں۔ لیکن علامہ ابن جریر طبری نے ابورزین وسعید سے روایت کی ہے کہ ظلهما سجود هما۔ (یعنی درختوں اور جھاڑیوں کا سجدہ یہی ہے کہ ان کا سایا پڑا ابھرتا ہے۔ ابن جریر صفحہ (۶۲) اصل میں سجدہ کے مفہوم میں غایت انحسار و تذلل و فرماں برداری مضمر ہے۔ اس لئے آیت میں سجدہ سے سر جھکانے کی ہیئات مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم مقصود ہے۔ علامہ ابو السعود صفحہ (۲۰۲) میں لکھتے ہیں :- ”یسجدان ای ینقاد له تعالٰی فیما یرید بهما طبعًا انقیاد الساجدین من المکلفین طوعًا“ جلد ۵ درخت اور جھاڑیاں سجدہ کرتی ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا جس بات کو چاہتا ہے۔ وہ قدرتی طور پر اس امر میں حکم الٰہی کی مطیع رہتی ہیں اور یہ اطاعت ان کی اسی رنگ کی ہے جس رنگ میں کہ خدا کے مکلف بندے اظہار اطاعت کے لئے سجدہ کرتے ہیں)۔

يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ فَبِاَيِّ
اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا
اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ
فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى
وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ
فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (۱-۱۳)

مقاموں کا مالک ہے۔ تو (اے دونو گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے" اسی نے دو (طرح کے) دریا نکالے کہ آپس میں ملتے ہیں (اور پھر بھی) دونوں میں ایک پردہ (رہتا) ہے کہ (اس سے ایک دوسرے کی طرف) بڑھ نہیں سکتے[1] تو (اے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں سے مکرتے رہوگے انکلتے ہیں ان دونوں میں سے بڑے اور چھوٹے موتی۔ تو اے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے' اور اسی کے ہیں جہاز جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے (دکھائی دیتے) ہیں تو (اے دو گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔ اس کرۂ زمین پر جتنے متنفس ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور (صرف) تیرے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی عظمت والی اور بزرگ ذات ہے۔ تو (اے دونوں گروہو) تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں سے مکرتے رہوگے۔

---

[1] دو دریا نکالنے کے متعلق عجیب عجیب اختلافات پیدا ہوگئے ہیں مشکل پسند طبیعتوں کے نزدیک معمولی دریاؤں میں کوئی خاص اہمیت نہ تھی کہ قرآن میں ان کا تذکرہ ہوتا اس لئے بات یہ پیدا کی کہ دو دریاؤں سے ایک وہ دریا مراد ہے جو آسمان میں ہے اور ایک وہ جو زمین ہے۔ یہ دونوں سال میں ایک مرتبہ ملجایا کرتے ہیں۔
دوسرے فریق نے غالباً یہ سمجھ کر کہ بحر فارس و بحر روم سے مسلمانوں کے تعلقات نہایت وسیع ہیں تعیین کردی کہ "مرج البحرين" میں خدا نے انہیں دونوں دریاؤں کا ارادہ کیا ہے۔
ابن جریر نے صفحہ ۶۸ میں یہ دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔ اور خود ان کی رائے میں پہلی روایت کو ترجیح ہے لیکن اس مشکل پسندی میں پھنسنے کی ضرورت کیا ہے۔ جس چیز کا تعین خدا و رسولؐ نے نہ کیا ہو اور عقل و علم بھی اس کے حامی نہ ہوں اس کو ماننا کیا ضرور ہے۔ کیوں نہ وہ تمام دریا اس سے مراد ہوں جو باہم ملتے ہیں اور پھر بھی جدا رہتے ہیں

(۴)

تاریخ شاہد ہے کہ عجمیت کے غلبہ نے عربیت کے خط وخال تک بدل دئیے اس طوفان میں عربی زبان اور اس کے اسلوب کا برقرار رہ جانا کچھ آسان نہ تھا، الفاظ تو وہی رہے، مگر معانی تبدیل ہوگئے لغویئین نے، کہ سب کے سب عجمی تھے اِلّا ماشاء اللہ [illegible] لے ہوئے معانی لغت میں ثبت کردیے کس کو فرصت کہ کلام جاہلیت کا تتبع کرے اور سمجھے کہ کلام اللہ جس زبان میں نازل ہوا اس کے کلمات کا مفہوم اس زبان میں کیا تھا۔

یہی دیکھیے کہ لفظ آلاء کے معنی سب نے نعمتوں کے قرار دئیے ہیں۔ علامہ زمخشری عربی زبان کے ایک مشہور ادیب ہیں اور عربیت میں ان کی دستگاہ مسلم ہے، مگر اپنی تفسیر میں وہ بھی اس سے قدم نہیں بڑھاتے

سے بقیہ صفحہ ۳۱۔ کمال اتصال پر بھی ایک دوسرے سے ممتاز رہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر زیادتی کا موقع نہ ملے۔

۲؎ امام رازی نے یہ مانکر کہ آیت مذکورہ میں دو دریاؤں سے میٹھے اور کھارے پانی کے دو دریا مراد ہیں۔ خود ہی یہ اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں قسم کے دریاؤں سے موتی کیونکر پیدا ہوسکتے ہیں۔ موتی تو محض دریائے شور میں پیدا ہوتے ہیں میٹھے پانی کے سمندروں میں تو پیدا نہیں ہوتے اس اعتراض کا امام صاحب نے کئی طرح سے جواب دیا ہے۔

(۱) قرآن جب دعوی کر رہا ہے کہ دونوں قسم کے سمندروں سے موتی نکلتے ہیں تو اس کے خلاف انسانی تجربہ ناقابل تسلیم ہے

(۲) بالفرض دریائے شور ہی میں موتی پیدا ہوتے ہوں لیکن آخر پیدا تو صدف کے اندر مینھ کے قطرہ ہی سے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مینھ کو آسمان ہی کے دریا سے تعلق ہے۔

(۳) دونوں دریاؤں سے موتی پیدا ہونے کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہوں تو دونوں میں ہوں۔ کسی ایک میں بھی اگر پیدا ہوں تو مطلب نکل آیا۔ محاورہ میں کہتے ہیں خرج فلان من بلاد کذا۔ ودخل بلاد کذا۔ بلاد بلدہ کی جمع ہے۔ حالانکہ اس شخص کا داخلہ یا خروج کسی ایک خاص شہر سے ہوا کرتا ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۵۱۔)

ان تاویلوں کے متعلق دریافت طلب یہ ہے کہ:۔ (۱) قرآن نے کب اور کہاں یہ دعوی کیا کہ مرج البحرین میں "بحرین" سے دریائے شور و دریائے شیریں مراد ہیں اور ان دونوں سے موتی پیدا ہوتے ہیں۔ (۲) صدف میں مینہ کے قطرے سے موتی کا پیدا ہونا خلاف تحقیق ہے۔ (۳) آخری تاویل قرین قیاس ہے بشرطیکہ تاویل کا مبنیٰ ضعیف نہ ہو۔

۳؎ محاورۂ عرب میں بڑے موتیوں کو لؤلؤ اور چھوٹے کو مرجان کہتے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس اور قتادہ وضحاک کی روایتیں بھی اس کی تائید میں نقل کی ہیں۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ۶۹)

اہل لغت میں صاحب لسان العرب کا خاص پایہ ہے مگر وہ بھی آگے نہیں بڑھتے [۱] اکیلے ایک ابن جریر طبری ہیں کہ آلاء کے معنی "قدرۃ" لکھتے ہیں۔

لیکن اس معرکۂ جدل میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کلام اللہ جس زبان میں نازل ہوا ہے اسی زبان اور اسی صدی کی زبان میں دیکھیں کہ اہل زبان اس کے کیا معنی سمجھتے تھے۔

کمیت اپنے گھوڑے کی صفت کرتا ہے۔

فرضیت "آلاء" الکمیت فمن یدع	فرسا فلیس جوادنا بمباع [۲]

حماسی اپنے ممدوح ولید بن ادہم کے اقتدار کا مرثیہ خوان ہے:۔

اذا ما امرؤ اثنی بآلاء میت	فلا یبعد اللہ الولید بن ادھما

فضالہ فقر کی برائیاں گنتا ہے:۔

وفی الفقر ذل للرقاب وقلما	رأیتُ فقیراً غیر نکسٍ مُذمم
یلام وان کان الصواب بکفہ	وتُحمد "آلاء" البخیل المدرھم [۳]

لطف یہ ہے کہ خود صاحب لسان العرب نے مادہ "نبہ" میں طرفہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:۔

کامل یُجمعُ "آلاء" الفتی	نَبِہٌ سیدُ سادات خضم [۴]

کلام میں تدبر کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں "آلاء" کو قدرت و اقتدار کے معنے میں استعمال کرتے تھے جو نعمت و عذاب دونوں پر یکساں حاوی ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اوصاف مراد لیتے تھے یہی معانی کلام عرب سے مترشح ہیں اور کلام اللہ میں ٹھیک اترتے ہیں۔

(۵)

۱۔ لسان العرب ج ۸ ص ۴۶۔ ۲ کتاب الاقتضاب للسید البطلیوسی ص ۴۵۔ ۳ کتاب المعمرین ۸۵

۴ لسان العرب ج ۱۷ ص ۴۴۴۔

ایک بات کہنے سے رہ گئی امثا غلط نابغہ کا یہ شعر تھا :۔

ھم الملوك وابناء الملوك لهم　　فضل علی الناس فی الآلاء والنعم

عجمی اہل لغت "نعم" پر "آلاء" کو قیاس کرکے دونوں کو مترادف سمجھے اور اس ترادف کو درست باور کرنے کے لئے پورا دیوان عجم بھرا پڑا تھا۔

فردوسی کہہ چکا ہے :۔

بہ نیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

سمجھے کہ انگبین و شہد ایک ہے تو "آلاء" اور "نعم" کیوں نہ ایک ہوں اسلوب عرب سے گر آگاہ ہوتے تو مترادفات کا خیال ہی نہ آتا جس سے ادب عرب کو سروکار ہی نہ تھا۔ جاہلیت کا کوئی دیوان دیکھئے ایک بیت میں ایک معنے کے لئے دو لفظ کبھی نہ لائیں گے اگر کسی نے یہ غلطی کی تو ساقط الاعتبار ہوگیا۔ نابغہ کا مطلب صاف ہے کہ "آلاء" یعنے اقتدارات اور نعمات دونوں میں اس کے ممدوحین کی فضیلت مسلم ہے۔

حاشیہ۔ آلاء جمع ہے اور الی واحد واحد کی صورت میں جب مکسور الاول لاتے ہیں تو اس سے عہد و پیمان مراد لیتے ہیں۔ اعشی کہتا ہے۔

ابیض لا یرھب الھزال "و لا"　　یقطع رحما ولا یخون "إلا"

جمع کی صورت میں جب الار کو غیر ممدود لاتے ہیں تو اس سے ایک درخت مراد لیتے ہیں جس کے پھل دیکھنے میں تو خوش مزہ مگر چکھنے میں بہت تلخ ہوتے ہیں بشر بن ابی خازم کہتا ہے۔

فانکم ومدحکم بجیرا　　ابالجاء کما امتدح "الالاء"

نعمت سے آلار کی تاویل بھی خوش منظر ہے، لیکن اہل ذوق کو اندیشہ ہے آلار کی طرح یہ بھی تلخ ثمر

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو کہ سورۂ رحمان کی ابتدا جہان خدا کی رحمت سے ہوئی ہے کہ سابق ولاحق کی جلال وجبروت کی باتوں سے انسان مرعوب ہوکر از خود رفتہ نہ ہوجائے۔ وہیں ساتھ کے ساتھ ایسے واقعات بھی یاد دلائے ہیں جو قدرت خداوندی کے عظیم الشان نمونے ہیں اور جن وانس کو ان پر تنبیہ کیا ہے کہ وہ قادر مطلق جس کی قدرت اس قدر وسیع ہو اُس کے کون کون سے اقتدار سے مکر سکتے ہو۔ علامہ ابن جریر فرماتے ہیں۔

حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وھب قال قال ابن زید فی قولہ "فبایّ آلاءِ ربکما تکذبانِ" قال "الآلاء" القدرۃ فبایِّ آلائہ تکذبُ خلقکم کذا وکذا فبایّ قدرۃ اللّٰہ تکذبان ایھا الثقلان الجن والانس[1]	مجھ سے یونس نے روایت کی کہ ابن وہب نے انھیں اطلاع دی کہ "فبایّ آلاءِ ربکما تکذبانِ" کے متعلق ابن زید کہتے ہیں کہ "آلآء" کے معنے قدرت کے ہیں۔ یعنی خدا نے تمھیں اس طرح پیدا کیا۔ تم اے جماعت جن وانس خدا کی کون کون سی قدرتوں کو جھٹلاؤگے۔[1]

امام رازی خَلَقَ الجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ انسان کو جو نعمتیں خدا نے دی ہیں جب ان کا گنانا مقصود تھا تو "جن" کے پیدا کرنے میں کون سی نعمت ٹھیری۔ اس اعتراض کے تین جواب دئے ہیں۔ اور آخر میں لکھتے ہیں۔

اِن الآیۃ مذکورۃ لبیان القدرۃ لا لبیان النعمۃ[2]	یہ آیۃ نعمت کا تذکرہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ قدرت کا تذکرہ کرنے کے لئے ہے[2]

ایک دوسرے مقام پر یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان (ان دو طرح کے دریاوں

---

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۲۷ صفحہ ۶۵

[2] تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۱۳۔

ہیں سے بڑے چھوٹے موتی نکلتے ہیں، کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای نعمة عظیمة فی اللؤلؤ و المرجان حتی یذکرھما اللہ تعالیٰ مع نعمة تعلم القرآن وخلق الانسان ؟	بڑے چھوٹے موتی ہیں کون ایسی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم اور انسان کی آفرینش کے ساتھ میں اس کا بھی تذکرہ کیا؟

اس اعتراض کے دو جواب دئے ہیں۔ ایک وہ جس میں نعمتوں کی تقسیم کی ہے اور جس کو حرف (ز) کے تحت ہم نقل کر چکے ہیں۔ دوسری توجیہ حسب ذیل ہے:۔

ھذہ بیان عجائب اللہ تعالیٰ لابیان النعم [1]	یہ اللہ تعالیٰ کے عجائب قدرت کا بیان ہے۔ نعمتوں کا بیان نہیں ہے۔ [1]

آلآء کو قدرت کا مماثل مان لینے کے بعد کسی تاویل کی حاجت نہیں رہتی۔ رحمت و نعمت وغیرہ ان سب کا مفہوم اسی قدرت کے تحت آجاتا ہے؟

[1] تفسیر کبیر ص ۱۵۔

منظر الکرام

تالیف

سید منظر علی اشہر

حیدرآباد دکن کے زندہ اکابر و مشاہیر کا تذکرہ ہے جدید حیدرآباد کی اعلیٰ شخصیتوں کے متعلق اس سے بہتر ذخیرہ معلومات اب تک مرتب نہیں ہوا۔ سررشتہ تعلیمات سرکار عالی نے اسکو حوالہ کی ایک عمدہ کتاب قرار دیکر دفاتر و مدارس تحت کو اس کے خریدنے کی ہدایت کی ہے

قیمت ۲ روپیہ۔		مؤلف سے نظام والنیئر زکلب خیریت آباد حیدرآباد دکن کے پتہ پر طلب کیجئے۔